دینی جماعتیں اور انتخابی سیاست

الیکشن 1997ء کے نتائج اگرچہ سیاسی لحاظ سے حیران کن ہیں لیکن دینی لحاظ سے یہ ہمارے لئے اور دوسرے بہت سے سوچنے سمجھنے والوں کے لئے ہرگز غیر متوقع نہیں اور الیکشن سے پہلے ہی یہ صاف نظر آرہا تھا کہ سیاسی لحاظ سے روبہ زوال دینی جماعتوں کے جو چند افراد پچھلی اسمبلی میں پہنچ گئے تھے وہ بھی اب شائد نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ وہی ہوا اور یہ نتائج ہمارے لئے نہیں خود دینی جماعتوں کے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھے۔ چنانچہ کچھ دینی جماعتوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا اور بالواسطہ یہ بھی تسلیم کیا کہ اگر وہ الیکشن میں حصہ لیتیں اور چند نشستیں جیت بھی لیتیں تو اس سے صورت حال پر کوئی خاص فرق نہ پڑتا۔ کیا دینی جماعتیں اس صورت حال سے سبق سیکھنے پر تیار ہیں؟ اخباری اطلاعات مظہر ہیں کہ پیپلز پارٹی جیسی جماعت میں، جس کا مزاج جمہوری ہے اور نہ جس میں کبھی انتخابات ہوئے ہیں، یہ ہوا ہے کہ پارٹی کی سربراہ نے انتخابات میں شکست کے بعد پارٹی کی مجلس منتظمہ کا اجلاس بلایا اور اس میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تاکہ پارٹی نئی قیادت منتخب کر کے نئی حکمت عملی وضع کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری دینی جماعتوں میں پیپلز پارٹی جیسی سیکولر اور غیر جمہوری جماعت جیسی اصول پسندی بھی نہیں کہ وہ اپنی جماعتوں کی شوریٰ کا اجلاس بلائیں اور اس میں اپنے استعفے پیش کر دیں تاکہ یہ جماعتیں قیادت کی تبدیلی کے بعد کسی نئی حکمت عملی پر غور کر سکیں؟ سوال یہ ہے کہ نفاذ دین بذریعہ انتخابی سیاست، کی حکمت عملی کیا قرآن میں نازل ہوئی ہے کہ اسے بدلنے پر غور نہیں ہو سکتا؟ آخر کیوں دینی سیاسی جماعتوں کے قائدین اس پر نظر ثانی کرنے پر تیار نہیں اور نہ ہی اتنی ناکامیوں کے بعد وہ قیادت سے دست بردار ہونے پر وہ راضی ہیں؟ بعض لوگ اس کی وجہ حُبِّ جاہ و منصب بتاتے ہیں لیکن ہمارا دل اس وجہ کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ کرے یہ غلط ہی ہو۔ اس کے دیگر اسباب پر غور کیا جائے تو وہ ہمارے نزدیک دو ہیں ایک فکری جمود اور دوسرے کوتاہ ہمتی۔ جہاں تک فکری جمود کا تعلق ہیں تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفاذ اسلام بذریعہ انتخابی سیاست کی حکمت عملی دینی جماعتوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد اس وقت اپنائی جب استعمار نے مغربی طرز کی جمہوریت کو اپنے زیر نگیں مسلم ممالک میں رائج کیا اور پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد جب انہیں ان مسلم ممالک کو خیر باد کہنا پڑا تو ان کے بعد مسلم حکمرانوں نے ان کے تتبع میں اسی سیاسی نظام کو اپنے ہاں جاری و ساری رکھا۔ اس وقت دینی جماعتوں نے انتخابی سیاست میں یہ سوچ کر حصہ لینا شروع کیا کہ شاید اس طرح وہ رائے عامہ کی سیاسی تربیت کر کے ان کی مدد سے اقتدار حاصل کر لیں اور پھر اقتدار کی قوت کو مسلم معاشرے میں اسلام کے نفاذ کے لئے استعمال کریں۔

دینی عناصر کیوں نہیں سوچتے کہ تیرہ سو سال تک عالم اسلام میں علماء و صلحاء نے متفقہ طور پر اس پالیسی (یعنی معاشرے میں نفاذ اسلام کے لئے مسلم حکمرانوں کا براہ راست مدمقابل بن کر جدوجہد کرنا اور طالب اقتدار ہونا) پر عمل نہیں کیا تو وہ بے وقوف نہ تھے؟ سوچ سمجھ سے عاری نہ تھے؟ وہ بھی ایک حکمت عملی تھی، اس کا بھی کوئی

جواز تھا! ان کے سامنے بھی کچھ مصالح تھے! بے شک اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور سیاسی حکمت عملی کوئی مخصوص چیز نہیں، حالات بدلنے کے ساتھ اسے بدلا جاسکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس دلیل کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی خود اس دلیل کا یہ تقاضا ہے کہ چونکہ موجودہ حکمت عملی الٹانوں کی وضع کردہ تھی اور کامیاب ثابت نہیں ہوئی لہذا اب اس حکمت عملی کو ترک کرکے نئی حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔ ہر عمل کا کوئی جواز ہوتا ہے۔ لیکن اس فکری جمود کا کوئی جواز نہیں کہ ایک حکمت عملی ستر برس کے تجربے سے ناکام ثابت ہوچکی ہے لیکن دینی عناصر اس سے چمٹے ہوئے ہیں اور اسے چھوڑنے پر تیار نہیں۔ پاکستان میں مولانا مودودی مرحوم نے 1948ء میں جب یہ حکمت عملی اپنائی تھی تو اس وقت ترجمان القرآن میں لکھا تھا کہ ہم یہ حکمت عملی اس مفروضے پر اپنا رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بالفعل اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ (کیونکہ انہی کے بے مثل تعاون سے مسلم لیگ کلمہ طیبہ کے نعرے پر پاکستان بنانے میں کامیاب ہوئی تھی) لیکن اگر تجربے سے یہ بات غلط ثابت ہوگئی تو ہم دوبارہ اپنی پہلی حکمت عملی پر لوٹ جائیں گے یعنی مسلم معاشرے کو جڑ بنیاد سے ٹھیک کرنا اور پھر اس کی بنیاد پر معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کرنا۔ 1970ء کے انتخابات میں ناکامی کے بعد انہوں نے اس پالیسی کے غلط ہونے کو آف دی ریکارڈ تسلیم کرلیا لیکن وہ مختلف مصالح کی بناء پر پبلک میں اس کا اعلان نہ کرسکے۔

ہم طاہر القادری صاحب کی دینی فکر سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی ہمت کی داد دیتے ہیں کہ ایک ہی الیکشن میں ناکامی کے بعد انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس طریق کار سے کامیابی ممکن نہیں، لہذا انہوں نے راستہ بدل لیا اور دوبارہ تعلیم و تربیت کے میدان کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن یہ بات کتنی قابل افسوس ہے کہ باقی ساری دینی جماعتیں ہر دفعہ شکست کھاتی ہیں اور ہر دفعہ شکست کے بعد اپنے سادہ لوح کارکنوں کو کوئی نہ کوئی لوری سنا کر مطمئن کرتی ہیں اور اگلے الیکشن میں پھر کھڑی ہوجاتی ہیں۔ پھر شکست کھاتی ہیں، بار بار شکست کھاتی ہیں۔ لیکن سبق سیکھنے کو تیار نہیں اور اپنی روش بدلنے پر تیار نہیں۔ ان کے حق میں دعائے خیر ہی کی جاسکتی ہے۔ دینی عناصر کی مسلسل انتخابی ناکامیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ایک خطرناک رجحان کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان ناکامیوں کے نتیجے میں بعض عناصر میں "اسلامی انقلاب" بذریعہ احتجاج کا رویہ نہ صرف پیدا ہوچکا ہے بلکہ اب وہ اپنے رستے تلاش کررہا ہے۔ اس ضمن میں جماعت اسلامی اور ایک صوفی فرقے نقشبندیہ اویسیہ (جس کے سربراہ مولانا محمد اکرم اعوان ہیں اور وہ تحریک تبدیلی نظام، کے نام سے کام کررہے ہیں) کی سرگرمیاں قابل ذکر ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ رجحان خطرناک بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ خطرناک اس لئے کہ اس کا نتیجہ بالعموم تخت یا تختہ ہوتا ہے اور آج کل کی طاقت ور ریاست (اور اس کے منظم ادارے جیسے فوج اور سیکورٹی کے دیگر ادارے اور ایجنسیاں وغیرہ) اور اسلام دشمن سپر طاقتوں کی وجہ سے اس امر کا ایک فیصد امکان بھی نہیں کہ یہ گروپ تخت حاصل کرلیں گے۔ البتہ بہت سے لوگ تختہ دار کی نذر ضرور ہوجائیں گے۔ یہ نقصان دہ اس لئے بھی ہے کہ اس وقت دینی عناصر کو اس لئے ہر قسم کی سرگرمیوں کی اجازت ہے کہ ان کی پرامن جمہوری سرگرمیوں کی وجہ سے اسٹیبلشمنٹ انہیں ناپسند کرنے کے باوجود برداشت کرنے پر مجبور ہے تاہم جوں ہی انہوں نے احتجاج اور ہنگاموں کا راستہ اختیار کیا، اسٹیبلشمنٹ کو انہیں کچلنے کا بہانہ مل جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے ہاں، اسلامی انقلاب بذریعہ احتجاج، کی

ایک تاریخ بھی ہے۔ اس کا نعرہ سب سے پہلے ڈاکٹر اسرار صاحب نے لگایا تھا اور کمزور تاویلوں سے اسے اسوۂ نبی قرار دیا تھا لیکن وہ کوئی قابل ذکر جمیعت اکٹھی نہ کر سکے لہذا ان کا نعرہ ایک کتابی نظریہ بن کر رہ گیا۔ بعد میں جماعت اسلامی کے ایک سابق کارکن صوفی محمد سرحدی ریاستوں میں ایک تحریک اس غرض کے لئے منظم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور چونکہ، اسلامی انقلاب بذریعہ احتجاج اور طاقت، میں دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک فرد اور دوسرے اسلحہ، اتفاق سے یہ دونوں انہیں میسر تھیں۔ لہذا انہوں نے ایک مناسب موقع دیکھ کر بزن کا نعرہ لگا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست اپنی ساری قوت سمیت ان پر حملہ آور ہو گئی۔ انہیں ہیوی مشین گنوں اور جنگی ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ کچل دیا گیا۔ بیسیوں شہید کر دیئے گئے، سینکڑوں کے گھر جلا دیئے گئے اور ہزاروں گرفتار کر لئے گئے اور ستم ظریفی یہ کہ ملک کی ساری دینی جماعتوں نے محض ہلکے پھلکے اخباری بیانات کے ذریعے ان کی مدد کی۔ شیعہ حضرات نے اس حکمت عملی کو محدود مقاصد کے لئے پرامن رہ کر کامیابی سے استعمال کیا۔ وہ حکومت کے ساتھ تصادم سے اس لئے بچ گئے کہ اس وقت کے مصلحت پسند حکمرانوں نے ان کے پس پردہ طاقتوں کو چیلنج کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس وقت جماعت اسلامی اور تحریک تبدیلیٔ نظام جس راستے پر چل پڑی ہیں، ہمیں اس پر تشویش اسلئے ہے کہ اس سے نہ صرف انہیں نقصان ہوگا بلکہ اس سے دینی کاز کو بھی ضرور نقصان پہنچے گا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے دھرنوں نے بے نظیر کی جابر اور نامقبول حکومت کو چلتا کیا ہے اور وہ نواز شریف کو بھی صرف چھ مہینے دے رہے ہیں ورنہ ان کے بقول اسلام آباد پر یلغار ہوگی۔ ہم اسے جماعت اسلامی کی کامیابی ہرگز نہیں سمجھتے۔ ان کے پیشتر و اخوان المسلمون نے اپنے قیام کے محض سات آٹھ سال بعد مصر میں نقری پاشا کی حکومت ہنگاموں کے ذریعے الٹ دی تھی۔ قاضی صاحب نے پچاس سال بعد ایک حکومت کا تختہ، اگر ان کے بقول الٹ بھی دیا ہے تو یہ کارنامہ نہیں، مقام فکر ہے۔ کیونکہ نقری پاشا کی حکومت الٹنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اسٹیبلشمنٹ اور اسلام دشمن سپر طاقتیں الرٹ ہو گئیں اور اخوان کو کچل دیا گیا۔ ہمیں خطرہ ہے کہ اب بھی یہی ہوگا۔ قاضی صاحب کے دھرنوں اور یلغاروں سے اسٹیبلشمنٹ جب ان کے پرامن جمہوری رویے سے مایوس ہو جائے گی تو پھر انہیں بھی کچل دیا جائے گا۔ اس لئے دینی عناصر کا فرض ہے کہ وہ ہوشمندی سے کام لیں اور تاریخ سے سبق سیکھیں۔ اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ انتخابی سیاست سے مایوس ہونے کا حل یہ نہیں کہ، اسلامی انقلاب بذریعہ احتجاج کا راستہ اپنایا جائے۔ بلکہ یہ کہ دعوت و تربیت کا رستہ اپنایا جائے۔ جس پر ہمارے اسلاف پچھلے تیرہ سو سال سے کاربند چلے آرہے ہیں اور انتخابی سیاست کو چھوڑ کر غیر انتخابی سیاست کا رستہ اختیار کیا جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ دینی جماعتیں اس امر پر غور کرنے پر تیار ہو جائیں کہ نفاذ اسلام بذریعہ انتخابی سیاست، کی حکمت عملی ناکام ہو چکی ہے اور آئندہ غیر انتخابی سیاست کرنا ہوگی اور دعوت و اصلاح اور تعلیم و تربیت کی طرف لوٹ جانا ہوگا، تو کام کے بے شمار راستے انہیں سوجھیں گے اور کام کے ایسے ایسے میدان ان کے سامنے آئیں گے کہ وہ حیران ہوں گے کہ وہ آج تک ان سے غافل کیسے تھے؟

ویسے بھی حقیقت یہی ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں صاف کہا ہے کہ اس

(بقیہ ص ۴۹ پر)